اتحاد کی ضرورت اور اس کے وحدت بخش عناصر

قرآن اور اہلبیت علیہم السلام ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں

مؤلف: مولانا سید اطہر عباس رضوی الہ آبادی

ضرورت اتحاد اور اس کے وحدت بخش عناصر کے بارے میں گفتگو آج اسلامی معاشرے کی سب سے اہم ضرورت ہے۔اس لئے مفہوم وحدت اور اس کے وحدت بخش عناصر کی قرآن اور اہلبیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت کرنا نہایت ضروری ہے۔قرآن کریم کی پچاس سے زیادہ آیتوں میں مسئلۂ وحدت اور وحدت شکن عناصر کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور اس کی حصولیابی کے راستوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔اس کی حصولیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم مخالفین کے ساتھ مسالمت آمیز روش اختیار کریں ؛اختلافی اور بے ثمر مسائل کو عنوان کرنے سے پرہیز کریں ؛نہ کسی کے احساسات کو مجروح کریں اور نہ اس کے مقدّسات کی توہین کریں ؛ اسلامی فرقوں کے بانیوں کی تکفیر سے احتراز کریں ؛حقوق اجتماعی کی رعایت کریں، مسلم دانشوروں سے علمی گفت و شنید برقرار کریں اور اس طرح سے وحدت کے تحقق میں ان عناصر کی تاثیر کی نشان دہی کریں۔اگر تمام فرق ومذاہب کے علماء ان اصول کی رعایت کریں تو اسلام دشمن عناصر اور وہ افراد جو اختلاف کو ہوا دیتے ہیں، مسلمانوں کے درمیان جنگ وخونریزی کرانے کے اپنے مذموم مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور نہ عالم اسلام کو کسی شکست خوردہ لشکر کی طرح پراکندہ اور دستہ دستہ کر سکیں گے۔ اگر ان اصولوں کی رعایت کی جائے تو اسلام دشمن عناصر ،نہ عالم اسلام کی تحقیر کر سکیں گے اور نہ اسلامی مقدّسات اور رسول گرامی اسلام ﷺ کی توہین کر سکیں گے اور نہ کسی اسلامی سرزمین پر ان کے غاصبانہ تسلط کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو پائے گا۔

ایسے حالات و شرائط میں اسلامی وحدت ،اسلامی معاشرے کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے، کیونکہ آج کے دور میں جبکہ اسلام دشمن عناصر موقع کی تلاش میں ہیں، باہمی اختلافات اور سلگتے ہوئے موضوعات عالم اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں۔اب سے کچھ پہلے عظیم مصلحین اور اسلامی وحدت کے طلبگاروں کی جانب سے ''اسلامی مذاہب'' کی ''تقریب'' کا مسئلہ عنوان کیا گیا تھا۔ درحقیقت اگر کوئی اختلاف اور تفرقہ نہ ہوتا، اگر مذہبی تعصب کی آگ شعلہ ور نہ ہوتی، اگر سرنوشت ساز اور فردفرد کی ضرورت نہ ہوتی ،اگر دشمن کے سوء

استفادہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو کبھی بھی یہ بابصیرت علماء تقریب کا موضوع نہ چھیڑتے۔ تقریب مذاہب کے بارے میں بہت ساری باتیں کی گئیں ہیں لیکن آج سب سے اہم اور ضروری چیز، وحدت بخش عناصر کے بارے میں گفتگو کرنا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو عالم اسلام کو متحد کرکے فرقہ وارانہ اختلاف اور باہمی اور جنگ وجدال کو ختم کر سکتی ہے۔ قرآن کریم میں جہاں وحدت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے وہیں اختلاف کی شدید مذمت اور اس کے بھیانک عواقب اور نتائج کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ موضوع سے متعلق قرآنی آیات کی تحقیق کے نتیجے میں وحدت بخش عناصر کا بخوبی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہر مذہب و فرقہ کے کچھ لوگ رفع اختلافات اور تقریب افکار و نظریات کے بجائے تصادم اور ٹکراؤ کے مواقع فراہم کرتے ہیں اور سست و بے اساس موضوعات، توہین آمیز جلسات اور ضعیف احادیث سے استناد کے ذریعے اختلافات کا انبار لگا دیتے ہیں اور از روئے قرآن جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے "وَمَا تَفَرَّقُوٓا اِلَّا مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ۔ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ"[1] جان بوجھ کر آتش اختلاف کو شعلہ ور کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ طباطبائی جیسے افراد، مذہبی فرقوں کے درمیان جنم لینے والے اختلافات کو فطرت کے برخلاف اور فطرت سے بغاوت و تعدّی کا نتیجہ جانتے ہیں۔[2] وحدت کی تشویق اور اختلاف سے احتراز اس صورت میں مؤثر ہے کہ عناصر اختلاف کی پہچان ہو اور مثبت راہ حل کے ساتھ وحدت کی راہ میں قدم آگے بڑھایا جائے۔

وحدت سے مراد

وحدت سے مراد، تمام ادیان و مذاہب کو ایک کرنا، شیعوں کو سنّی یا سنّیوں کو شیعہ کرنا نہیں ہے یا اسی طرح دیگر ادیان و مذاہب کو دین اسلام میں ضم اور مستہلک کرنا نہیں ہے۔ بلکہ وحدت سے مراد، ایک مسالمت آمیز زندگی ہے۔ مابہ الامتیاز سے قطع نظر مابہ الاشتراک کے زیر سایہ سکون اور آرام سے زندگی بسر کرنا ہے۔ سارے اسلامی فرقوں کا اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال کر ہمدلی اور صلح و آشتی کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے۔ جب سب کا خدا ایک ہے، سب کا رسول ایک ہے، سب کی کتاب ایک ہے، سب کا قبلہ ایک ہے، سب آخرت اور اسلامی احکام جیسے نماز، روزہ، حج اور زکات وغیرہ پر یقین رکھتے ہیں تو پھر یہ جنگ وجدال اور

۱۔ سورہ شوری، ۱۴

۲۔ المیزان، ج ۲، ص ۱۲۲۔ ۱۲۴

کشت کشتار کس لئے ؟! تمام فرق و مذاہب والوں کو چاہئے کہ اختلافات کو پس پشت ڈال کر فقط مشترکات پر نظر رکھیں اور آپس میں مل جل کر آرام و سکون کے ساتھ زندگی گزاریں۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اعتقادات و احکام کا جزئی اختلاف اور اختلافِ منابع جو کہ اجتہاد اور آزاد تفکّر کا طبیعی نتیجہ ہے، باہمی جدائی اور قلبی طور پر مسلمانوں کی ایک دوسرے سے دوری کا باعث نہ ہو، بلکہ تمام فرق اسلامی شرح صدر اور وسعت نظر کے ساتھ ایک دوسرے کے عقائد و نظریات کو درک اور تحمّل کریں اور تحقق وحدت کی راہ میں اپنی کوششوں سے دریغ نہ کریں۔بنابراین وحدت سے مراد، مصنوعی موانع کو بر طرف کرنا اور ان چیزوں پر لگام لگانا ہے جو جدائی اور مسلمانوں کے درمیان کینۂ و دشمنی کا باعث ہیں۔

وحدت بخش عناصر سے مراد

اس عنوان سے مراد، وہ عناصر ہیں جو وحدت کو تشکیل دے نے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔یہ عناصر، ایسے امور ہیں جو ایجابی طور پر مسلمانوں کی آپسی نزدیکی اور باہمی تعاون کے اسباب و مواقع فراہم کرتے ہیں، یا سلبی طور پر کمی اختلاف کا باعث ہوتے ہیں۔یہ عناصر کینہ وجدائی کا خاتمہ کرنے میں ممدّ ومعاون ہوتے ہیں۔ان عناصر کی پاسداری کے نتیجے میں کوئی ایک دوسرے کو متّہم نہیں کرتا اور ہر طرح کی بد بینی اور تعصب سے نجات مل جاتی ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں بنی نوع انسان کو ''امت واحدہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے،اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور وابستگی پر زور دیا گیا ہے۔اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث اور نورانی کلمات میں مختلف ادیان ومذاہب اور اقوام وملل کے درمیان اتحاد وانسجام کے بنیادی اور کلیدی کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ہم اس مختصر مقالے میں قرآن اور اہلبیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں اتحاد کی ضرورت اور اس کے وحدت بخش عناصر کا جائزہ لیں گے اور اسی طرح امت مسلمہ میں وحدت و اتحاد کی اہمیت و افادیت اور ضرورت پر روشنی ڈالیں گے۔

صدر اسلام میں مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا راز، رہبر قوم اور افراد قوم و ملّت کے درمیان اتحاد و وابستگی اور صمیمیت کا ہونا ہے۔اسلامی معاشرے میں رہبر اور امام امّت کا کام، عوامی تحریک کو صحیح رخ اور جہت دینا ہے۔تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی بعثت کے آغاز سے ہی اپنے

پیروکاروں کو اتحاد و اخوت اور وحدت و ہم آہنگی کا درس دیا ہے اور حقیقی معنوں میں اخوت و برادری کی ضرورت سے انھیں روشناس کرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی مکی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں ہر طرح کے مصائب وآلام اور تکالیف و شدائد کا سامنا نہایت خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کیا، شعب ابی طالب کی حوصلہ شکن زندگی گزاری لیکن کبھی بھی نزاع و خصومت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ کفار قریش کو متفرق خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دی۔ کلمۂ لاالہ الااللہ دراصل اتحاد کی دعوت ہے کہ آؤ ایک مرکز پر آکر جمع ہو جاؤ تاکہ تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ رہ جائے اور کامیابی وکامرانی تمہارے قدم چومنے لگے۔

اجتماعی محیط میں ہمیں اس بات کا ادراک ہونا چاہئے کہ ہم کیا ہیں اور دوسرے کیا ہیں۔ اجتماعی محیط توافق اور عدم توافق کا نتیجہ ہے، البتہ اس تعلق سے چون وچرا کی گنجائش ضرور ہے۔ اس چون وچرا کے علاوہ جو بات اجتماع کے تعلق سے مسلم اور قطعی ہے وہ یہ ہے کہ قومی اتحاد کی بنیاد اور تشکیل اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے تصور و خیال سے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں معاشرے کی تشکیل، قومی توافق کے ذریعے ہی ممکن ہے اور اگر کسی بھی وجہ سے اس پر سوالیہ نشان لگ جائے تو قومی اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس کی روک تھام اور قومی اتحاد کی تقویت کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اجتماعی اور معاشرتی زمدگی کے تئیں حساس ہوں اور اس کے لئے ہمارے پاس ایک لائحہ عمل ہو۔ قرآن کریم کی آیتوں اور رسول گرامی اسلام ﷺ کی سیرت اور قرآن و معلّمین قرآن کی تعلیمات پر عمل کرکے ہم دلوں سے نفرتوں اور کدورتوں کو مٹا سکتے ہیں اور اپنی اجتماعی حیثیت کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اب ہم قرآن اور تعلیمات اہلبیت علیہم السلام کی روشنی میں اتحاد اور اس کے وحدت بخش عناصر اتحاد کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں:

قرآن اور اتحاد کی ضرورت

۱۔ واقعاً اوّلین منادی وحدت قرآن کریم ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ"[۱] بیشک یہ تمہاری امّت، ایک امّت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لئے میری پرستش کرو۔ سورۂ مؤمنون کی آیت ۵۲ میں بعینہٖ یہی تعبیر ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے اس اسلامی وحدت کی ہر حال میں رعایت کی جائے اور کسی بھی حال میں یہ وحدت خلل پذیر نہ ہو اس لئے بار بار قرآن کی متعدد آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ خداوند عالم نے سارے مومنین کو ایک جہت میں اور ایک ہدف کے ساتھ

۱۔ انبیاء، ۹۲

کہ جس میں صرف خدائے واحد کی بندگی ہو، ایک امت اور ایمانی ودینی بھائی قرار دیا ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس قرآنی شعار کی اہمیت و عظمت کو سمجھیں اور اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ ہر وہ چیز جو امت مسلمہ کے درمیان تفرقہ اور جدائی کا باعث ہے وہ قرآن کے منشاء کے خلاف اور دشمن کی سازش ہے۔قرآن کریم کی رو سے سارے انسانوں کی خلقت، فطرت توحیدی پر ہوئی ہے اور حدیث نبوی" کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یھودانہ ویمجسانہ" بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔از روئے قرآن، انسانی معاشرہ آغاز میں امّت واحدہ تھا، لیکن انسانوں کے درمیان جنم لینے والے اختلافات اس بات کا باعث ہوئے کہ خداوند عالم رفع اختلافات کے لئے ان کے درمیان انبیاء کو بھیجے تاکہ وہ انسانوں کو توحید، فطرت توحیدی، صراط مستقیم اور تشکیل امّت واحدہ کی دعوت دیں سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۳، دین ومذہب کی پیدائش کی کیفیت اور اس کے مختلف اہداف و مراحل پر مشتمل ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: تمام انسان آغاز میں ایک امّت تھے۔"كَانَ النَّاسِ اُمّۃ وَّاحِدَۃ "۔آغاز میں ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں تھا۔انسان کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی بہت سادہ تھی۔ فطرتیں دست نخوردہ تھیں۔ ہوی و ہوس اور ان کے درمیان کشمکش و اختلاف کے اسباب ناچیز تھے اور وہ لوگ فرمانِ فطرت کے مطابق خدا کی عبادت و پرستش کیا کرتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے یہ قافلۂ انسانی آگے بڑھا، اور اجتماعی شکل اختیار کرتا چلا گیا، اختلافات اور تضادات نے جنم لینا شروع کر دیا۔ایسے میں خداوند عالم نے انبیائے کرام کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کو بشارت دیں اور انھیں اس اختلاف و پراگندگی کے عواقب سے ڈرائیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: " وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ "[۱]۔یہاں قافلۂ انسانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ایک سچے مومنین کا گروہ جو حق کے سامنے تسلیم ہو کر اختلافات کو ختم کرنے کیلئے آسمانی کتابوں اور تعلیمات انبیاء کی طرف لوٹ آیا اور حق تک رسائی حاصل کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: خداوند عالم نے صاحبان ایمان کو ہدایت سے سرافراز کیا اور انھوں نے اختلافات میں حکم خداوندی سے حق کو پالیا اور وہ جس کو چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔ اسی طرح سورہ نحل، آیت ۱۲۴ میں قوم یہود کی موسی علیہ السلام کی آسمانی اور نورانی تعلیمات سے دوری اور ان کی کتاب تورات سے اختلاف کے تعلق سے ہمیں دوسرے گروہ کا ذکر بھی ملتا ہے:" اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ "یہودیوں کے لئے روز شنبہ کی تحریم فقط ایک سزا کے طور پر تھی اور وہ اس میں بھی اختلاف کرنے سے باز نہیں آئے اور تمہارا پروردگار بروز قیامت ان کے درمیان ضرور فیصلہ کرے گا۔

۱۔ سورہ آل عمران ۱۹

۲۔ایک اور مقام پر قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ[۱] در حقیقت مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں، اصلاح کرو۔قرآن، کلمۂ انما کے ذریعے اس حصر میں تاکید کرتا ہے کہ مومنوں کو صرف اپنا بھائی جانو اور کچھ نہیں، صرف اسی حیثیت کو مدّ نظر رکھو ،ان پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کریں۔[۲] ممکن ہے مومنین سوء تفاہم یا مادّی منافع اور سیاسی اغراض کی وجہ سے بے توجہی یا دشمنی کا شکار ہو جائیں؛ لیکن قرآن یاد دہانی کرتا ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔بدیہی ہے کہ اس اخوت سے مراد اخوت نسبی نہیں ہے بلکہ دینی اور ایمانی اخوت مراد ہے جو فریضہ عائد کرتی ہے۔اس لئے اگر کسی وجہ سے ان میں دوری ہو جائے تو مومنین کی ذمہ داری ہے کہ خود کو ایک دوسرے سے نزدیک کریں اور اختلاف و نزاع نہ کریں اور اختلاف کی صورت میں دوسرے صلح کرانے کا فرض ادا کریں۔

۳۔قرآن میں اکثر مقامات پر جہاں اخوت و وحدت کی بات کی گئی ہے ،اختلاف کی مذمّت بھی کی گئی ہے۔ اخوت وبرادری اور نیکی و تقوی کے معاملے میں تعاون کے حکم کے ساتھ اتحاد و صمیمیت اور ہمدلی کو خدا نے اپنی بہت بڑی نعمت جانا ہے جو اسلام کی بدولت مومنین کو نصیب ہوئی ہے؛ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ؛ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔"[۳] گویا منشائے پروردگار یہ ہے کہ اس نعمت کی پاسداری ہو اور مسلمان وحدت ایمانی و اجتماعی کی پاسداری کریں اور خود کو اختلافات کے شعلوں سے محفوظ رکھیں ۔وَاعْتَصِمُوْا ،اصلحو، رابطوا،اور تعاونوا جیسی دوسری قرآنی تعبیرات بھی اسی وحدت کی تشویق کے لئے ہیں؛اور اسی طرح حرمت غیبت ،سوء ظن اور تجسّس و افشاء گری جیسے اخلاقی احکام اختلاف کی روک تھام کے لئے بیان ہوئے ہیں؛چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :'' يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔وَ اتَّقُوا اللّٰهَ" اسی طرح دوسروں کو برے القاب سے یاد کرنے کی بھی مذمت کی گئی ہے؛چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :'' وَلَاتَلْمِزُوا

۱۔حجرات، ۱۰

۲۔تفسیر امام خمینی، ج۵، ص۱۹۹

۳۔آل عمران، ۱۰۳

أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ''[۱] یہ ساری چیزیں چونکہ تفرقہ واختلاف کا باعث ہیں اسی لئے ان تمام چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ تمام اوامر ونواہی اس لئے ہیں تاکہ معاشرہ رفع اختلاف اور حفظ وحدت کی ضرورت کو سمجھے اور ہر اختلاف برانگیز اور تحریک کن حرکت سے پرہیز کرے، چنانچہ اگر ایسا نہ کیا تو بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔؛ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :"وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ" [۲]۔ آپس میں نزاع واختلاف نہ کرو ورنہ سست اور کمزور پڑ جاؤگے اور لوگوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح گذشتہ امتوں کے نزاع واختلاف سے عبرت حاصل کرنے اور ان کی طرح اختلاف نہ کرنے کی بات پر زور دیا گیا ہے : چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :" وَلَا تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ ''[۳]

مقاصد وحدت

جیسا کہ عرض کیا اسلامی وحدت وہ ہدف ہے جس پر قرآن نے بہت زیادہ زور دیا ہے اور ہر مسلمان کو اس کے تحقق کی راہ میں کسی بھی کوشش سے دریغ کرنے سے منع کیا ہے۔ اب ہم اس تعلق سے مقاصد وحدت کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر پہلے ہم تشتت وپراگندگی اور اختلاف و تفرقہ کا شکار تھے تو اب ہمیں ہوش کے ناخون لیتے ہوئے اس کی تلافی کرنی چاہئے اور ہمیں ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک قبلہ اور ایک پیغام توحید کے زیر سایہ جمع ہو جانا چاہئے۔

۱۔ اسلامی وحدت کا اولین ہدف، باہمی اختلاف اور کینہ وکدورت کا خاتمہ، مذہبی جنگ وجدال اور قتل وکشتار کی روک تھام ہے، اور اس ہدف تک رسائی دینی مسائل کی تشخیص اور تعیین اولویت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۲۔ مذہب کے نام پر افراطی اقدامات کی روک تھام، غیر منطقی اور کورکورانہ تعصّبات کو پروان نہ چڑھنے دینا کیونکہ یہ ساری چیزیں معمولا مذہبی اختلافات کی آڑ میں جنم لیتی ہیں، جس قدر ان اختلافات میں اضافہ ہوتا

۱۔ حجرات، ۱۱

۲۔ انفال، ۴۶

۳۔ آل عمران، ۱۰۵

ہے غلو اور خرافات میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ دین اور معنویت میں تدبّر و تعمق کے بجائے ظاہری اور شعاری حرکات کو رواج ملتا ہے اور حقیقت دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۳۔ عالم اسلام میں مثالی اسلام معاشرے کی تشکیل اسی وحدت کے زیر سایہ ممکن ہے، یہاں تک کی تشیع کی رونق و بالیدگی کا راز بھی اسی وحدت میں مضمر ہے، بالخصوص اگر یہ چیز عمرانیات اور اقتصادی و سیاسی ترقی کے ہمراہ ہو۔

۴۔ اسلامی معاشرے کی بنیادوں کی تقویت اور اسلامی عزت و شوکت کی واپسی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ سارے مسلمان ایک پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں اور اپنے تمام امکانات کو اخلاق اور معنویت کی بالیدگی کے لئے بروئے کار لائیں۔

۵۔ غیر اسلامی افکار کی آشفتگی اور شوریدگی سے امّت مسلمہ کو محفوظ رکھنا اور اسلامی معاشرے میں دین گریزی کے چلن کی روک تھام ہماری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ معاشرے میں مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات کو جتنی زیادہ ہوا ملے گی، اسلامی معاشرے کے اندر دین سے گریز اور تنفر کی فضا سازگار ہوگی اور اسلام خشونت کا دین سمجھا جائے گا اور تمدّنوں کی جنگ کے طرفدار اور صلیبی جنگوں کی بات کرنے والے، مذہبی اور فرقہ وارانہ جنگ کو اسلامی تعلیمات کا حصّہ قرار دیں گے اور اگر فلسطین یا کسی دوسری سرزمین میں مسلمان اپنے حق کے دفاع میں کھڑے ہوں گے تو اس کو یہ لوگ اسلامی خشونت اور شدت پسندی کا نام دیں گے۔

وحدت کے مقاصد اور اس کے تاثیر گزار عناصر کی تبیین سے پتہ چلتا ہے کہ وحدت سے مراد ایک مذہب کا دوسرے مذہب میں مستہلک اور ضم ہو جانا نہیں ہے، بلکہ وحدت کا مقصد، رفع اختلافات، سعۂ صدر، دوسروں کو تحمّل کرنا، ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرنا اور اسلامی ملّتوں کے درمیان محبت و دوستی اور صمیمیت پیدا کرنا ہے۔

اگر مسلمان خدائی احکام کی پیروی کریں اور جنگ و اختلاف سے پرہیز کریں تو انھیں سیادت و آقائی سے کوئی بھی روک نہیں سکتا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ": وَلَا تَهِنُواْ وَلَا تَحْزَنُواْ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم

مُّؤْمِنِينَ''[1] سستی اور غم واندہ کو اپنے دل میں جگہ نہ دو ،حالانکہ اگر تم مومن ہو تو دوسروں سے برتر و بالا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ برتری ایمان اور اخوت ایمانی کی بدولت ملی ہے

اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وحدت اور وحدت بخش عناصر کی پہچان ہمارے لئے کتنی ضروری ہے؛ کیونکہ عناصر کی پہچان راہ حل کی شناخت پر منتہی ہوتی ہے اور ہر مذہب اور ہر فرقے کو معلوم ہے کہ اس کے سامنے دوسرے فرق ومذاہب بھی موجود ہیں۔ جو قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہے وہ کبھی بھی تمام مذاہب کو ایک کرنے کا خواب نہیں دیکھے گا اور حبل اللہ المتین سے تمسّک کرتے ہوئے جہاں تک ممکن ہے تقریب مذاہب کی کوشش کرے گا کیونکہ ان اختلافات کو برطرف کرنے کے لئے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے ،ایسا راستہ جو عملی اور مثمرِ ثمر ہو اور اپنے مذہب کی بقاء و تحفّظ کے ساتھ ساتھ نزاع واختلاف کو بھی ختم کردے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن اور اہلبیت کی تعلیمات کی روشنی میں وحدت بخش عناصر کی پیروی کرتے ہوئے آپسی بھائی چارہ کو قائم ودائم رکھتے ہوئے ایک مسالمت آمیز زندگی گزاریں۔

وحدت بخش عناصر

ا۔ دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ مسالمت آمیز روش

تحقق وحدت کا ایک راستہ یہ ہے ہم دوسرے تمام فرق ومذاہب کا احترام کریں اور کوئی کسی دوسرے مذہب کی توہین نہ کرے۔ مذہبی اختلافات کتنے ہی عمیق اور شدید کیوں نہ ہوں ،ان اختلافات کے نتیجے میں مسلمانوں کے درمیان خشونت بار عملی آثار مترتّب نہ ہوں، یعنی تکفیر اور قتل وکشتار کی نوبت نہ آئے۔ عقیدتی اور مذہبی اختلاف کو مخالفین کے حقوق اجتماعی پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔ اہلبیت علیہم السلام سے جو روایات ہم تک پہونچی ہیں ان میں سے بکثرت روایات اس مسالمت آمیز روش کی ترویج اور تشویق کرتی ہیں۔ ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ : اگر لوگ جان جائیں کہ خداوند عالم نے کیسے اس مخلوق کو پیدا کیا ہے تو کوئی کبھی بھی دوسرے کو ہدف ملامت قرار نہ دے۔[2] ایک دوسری حدیث میں بھی مخالفین کے ساتھ مسالمت اور مدارات کے تعلق سے فرماتے ہیں : خدا نے اسلام کے سات حصّے کئے ہیں ،اور اس کے بعد لوگوں میں

۱۔ آل عمران، ۱۳۹

۲۔ حر عاملی، ج۱۶، ح ۲۱۲۴۳ آل البیت۔

تقسیم کیا ہے، کسی کو ایک حصّہ اور کسی کو دو حصّہ ۔۔۔ لہٰذا جس کو ایک حصّہ ملا ہے اس پر اس سے زیادہ تحمیل نہ کرو، کیونکہ وہ اس کے لئے سنگین ہے، اس طرح وہ جدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور اس کے لئے اسلام اور اس کے مراتب میں آسانی پیدا کرو۔ اس کے بعد حضرت اپنے دور کی تاریخی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کیا تم نہیں جانتے کہ بنی امیہ کی امارت وحکومت، تلوار، خشونت اور ظلم وجور پر استوار تھی اور ہماری امامت، مدارات، تالیف قلب، وقار، تقیہ، حسن معاشرت اور ورع واجتہاد کے معیار پر قائم تھی، لہٰذا اس روش کے ساتھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف بلاؤ۔[1]

۲۔ اختلافی اور بے نتیجہ مذہبی مسائل سے پرہیز

ایسے مسائل اور موضوعات سے پرہیز کیا جائے جو اختلافی اور بے ثمر ہوں، کیونکہ ایسے موضوعات سے نہ اسلامی معاشرے میں بالیدگی و رونق آتی ہے اور نہ اسلامی اخلاق اور معنویت کو عروج وکمال حاصل ہوتا ہے، بلکہ اختلافات میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے نہ اہلبیت کی ثقافت کو قوّت ملتی ہے اور نہ سنّت نبوی کو رونق۔ اس تعلق سے چند باتوں کی یاد دہانی ضروری ہے:

۱۔ قرآنی دعوت کی روح اور اصل واساس، مسلمانوں کو جنگ وجدال دشمنی و عناد، قتل وکشتار اور پراگندگی وانتشار سے روکنا ہے۔ اس لئے ہر وہ حرکت جو ہمدلی اور تعاون کے خلاف ہو، برخلاف حکم قرآن ہے: چنانچہ ارشاد ربانی ہے: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور دین میں اختلاف ونزاع سے پرہیز کرو ورنہ سست اور کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔[2]

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اپنے دین کے لئے لوگوں سے لڑائی جھگڑا نہ کرو کیونکہ یہ چیز دل کو بیمار کر دیتی ہے۔[3]

۲۔ ازروئے قرآن چونکہ آیات اور اس کے معارف میں تدبّر، مختلف نظریات کے جنم لینے کا باعث ہے، اس لئے قرآن حکم دیتا ہے کہ بحث اچھی روش پر استوار ہو۔ خدا کی طرف بلانے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ جدال

۱۔ سابق حوالہ، ۱۶۵، ح ۲۱۲۴۸

۲۔ انفال، ۴۶

۳۔ مجلسی، ج ۲، ۱۳۳

احسن ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ۔[۱] حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ذریعے جب کسی کو خدا کی طرف بلائیں گے تو پھر اختلاف اور تفرقہ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی اور یہی جدال احسن ہے۔ جس کو آنا ہوگا وہ خدا کی طرف آئے گا ،آنے والے کا استقبال کیجئے ،اور جس کو نہ آنا ہوگا وہ نہیں آئے گا،اس سے دشمنی وعناد رکھے بغیر دینی معلاملات میں کوئی سروکار نہ رکھئے۔ یہی خدا کا حکم اور ائمۂ معصومینؑ کی سیرت اور روش رہی ہے۔

۳۔ جدال احسن کا لازمہ، اختلافی مسائل سے پرہیز اور اختلافات کو کم کرنا ہے کیونکہ گفتگو سننے کی فضاء اس وقت سازگار ہوتی ہے جب گفتگو دوستانہ ماحول میں ہو اور لوگ ایک دسرے کی بات سننے کے لئے تیار ہوں۔ زبردستی کسی سے اپنی بات نہیں منوائی جاسکتی۔ جدال احسن کا حصول، تالیف قلوب کے ذریعے ممکن ہے ،اور اختلاف انگیزی، تحریک قلوب ہے نہ تالیف قلوب۔ امام باقر علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں: اے لوگو! [عقیدتی مخالفین] سے لڑائی جھگڑا نہ کرو کیونکہ لوگ اگر ہم سے محبت کر سکیں گے تو ضرور ہم سے محبت کریں گے۔[۲]

۳۔ تحریک جذبات اور مقدّسات کی توہین پر روک

بلا شک و شبہ تحقق وحدت کیلئے سب سے اہم چیز صاحبان مذاہب کے مقدّسات کا احترام اور ان کا نام لینے میں ادب کی رعایت کرنا ہے۔ یہ ایک عقلی اصول ہے کہ جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اس کو دوسرے کیلئے بھی ناپسند کرو۔ اگر ہم چاہتے کہ ہمارے علماء اور بزرگان کی بے احترامی نہ ہو تو دوسرے بھی تو ہم سے یہی چاہتے ہیں۔ قرآن کریم تو بت پرستوں کو بھی سب وشتم کرنے سے روکتا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ’’ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ۔‘‘[۳] اور انھیں جو خدا کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتے ہیں ، دشنام نہ دو کیونکہ دشمنی اور نادانی کی وجہ سے وہ خدا کو بھی دشنام دیں گے۔ ارشاد خداوندی ہے ’’لکل امۃ عملھم‘‘۔ ہر امّت کے لئے ان کا عمل ہے۔ جب خدا کا بت پرستوں کے بارے میں یہ ارشاد ہے تو پھر اس ارشاد خداوندی کا لحاظ مسلمانوں کے نزدیک مورد احترام شخصیات کے بارے میں کیوں نہیں کیا جاتا؟!

۱۔ نحل، ۱۲۵

۲۔ مجلسی، ج ۲، ۱۳۲، ح ۲۱۔

۳۔ سورہ انعام، ۱۰۸

ہمارے ائمہ معصومینؑ نے بھی ہمیں اس بات سے منع کیا ہے۔ نقائص اور غلطیوں کی نشان دہی کرنا اور ہے اور سب وشتم کرنا اور ہے۔ تبرا کا مفہوم یہ ہر گز نہیں ہے کہ کسی کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں اور بس۔ بلکہ اس کے مراتب ہیں اور برا کا اہم ترین مرتبہ عملی تبرا ہے جس کے بارے میں شائد کوئی سوچتا بھی نہیں، دوسری تمام چیزوں کی طرح تبرا کے تعلق سے بھی ہم نے چھلکا لے لیا ہے اور گودا چھوڑ دیا ہے ،اگر ہم حقیقی معنوں میں تبرا کو اپنی عملی زندگی میں جگہ دیتے تو ہمارا یہ معاشرہ ایک مثالی معاشرہ ہوتا اور پھر امام کو ہماری وجہ سے یوں پردۂ غیبت میں نہ رہنا پڑتا۔ اسی تعلق سے امام رضا علیہ السلام ابراہیم بن ابی محمود خراسانی کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: تیسرا گروہ وہ ہے جو بالصراحت ہمارے دشمنوں کی بد گوئی کرتا ہے اور جب لوگ ہمارے تعلق سے ان کی غلو آمیز باتوں کو سنتے ہیں تو ہمارے شیعوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ہمارے شیعوں کو ہماری ربوبیت کا قائل گردانتے ہیں اور جب ان جعلی حدیثوں میں ہمارے دشمنوں کی بد گوئی ان کے نام اور ذکر کے ساتھ سنتے ہیں [ہمیں دشنام دیتے ہیں] جبکہ ارشاد خداوندی ہے: خدا کو چھوڑ کے دوسروں کی پرستش کرنے والوں کو دشنام نہ دو، ورنہ وہ بر بنائے عداوت اور از روئے نادانی اللہ کو بھی دشنام دیں گے۔[1] مرحوم مجلسی بواسطۂ شیخ طوسی حضرت علی علیہ السلام نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:"اوصیکم فی اصحاب رسول اللہ لاتسبوھم فانھم اصحاب نبیکم وھم اصحاب الذین لم یبتدعوا فی الدین شیئا ولم یوقروا صاحب بدعة ،نعم اوصانی رسول اللہ فی ھولاء"[2] اس حدیث میں امیر کائنات نے اصحاب رسول کو سب وشتم نہ کرنے کی سفارش کی ہے اور اپنی اس سفارش کو رسول گرامی اسلامؐ سے منتسب کیا ہے۔ حضرت نے یہی بات جنگ صفین کے موقع پر بھی جب آپ نے سنا کہ آپ کے کچھ اصحاب شامیوں کو دشنام دے رہے ہیں تو کہی ہے کہ "انی اکرہ لکم ان تکونوا سبّابین "[3] اس کے بعد فرمایا: اگر ان کے کردار کا ذکر کرتے اور ان کے برے کاموں اور کارناموں کو شمار کرتے تو سچائی سے قریب تر اور زیادہ معذور ہوتے۔ تم سب وشتم کے بجائے کہتے کہ:"اللھم احقن دمائنا ودمائھم واصلح بیننا وبینھم "امام کی روش ان لوگوں کے لئے تھی جو آپ سے برسرپیکار تھے اور آپ کو خلیفۂ برحق تسلیم نہیں کرتے تھے جبکہ مسلمانوں نے آپ کی بیعت کی تھی۔ حضرت کا خلفاء کے ساتھ کیا رویہ تھا اور آپ نے ان کے ساتھ کیسے تعاون کیا، یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تاریخ کا ادنی طالبعلم بھی اس بات کو خوب جانتا ہے۔ جب ابوبکر کی بیعت

۱۔ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج، ۳۰۴، ۴۱۔
۲۔ مجلسی، حیات القلوب، ج ۲، ۲۶۱؛ بحار الانوار، ج، ۲، ۳۰۶۔
۳۔ نہج البلاغہ، خ ۲۰۶۔

منعقد ہو گئی اور ابو سفیان نے مسلمانوں کے درمیان فتنہ وفساد برپا کرنا چاہااور اس کے لئے اس نے آپ کو وسیلہ بنانا چاہا تو آپ نے فرمایا:" شقوا امواج الفتن بسفن النجاة وعرجوا عن طريق المنافرة وصغوا تيجان المفاخرة ،افلح من نهض بجناح او استسلم فاراح" [۱] یہاں پر امام علیہ السلام نے اسلام کے دیرینہ دشمن ابو سفیان کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔اور امت مسلمہ کو بعد رسول انتشار اور فرقہ فرقہ ہونے سے بچا لیا ، باوجودیکہ آپ ابو بکر کو سزاوار خلافت نہیں سمجھتے تھے۔

اس لئے ہمیں بھی صحابہ کرام کا نام لیتے وقت ادب کی رعایت کرنی چاہئے اور اگر کوئی تنقیدی پہلو ہے تو اس کو نہایت متانت، سنجیدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہئے اور ان کے بارے میں برملا کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے لوگوں کے جذبات واحساسات مجروح ہوتے ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی خلافت کے دوران محمد بن ابی بکر کی شہادت کی مناسبت سے اپنے ایک خطبہ میں کچھ اس طرح فرمایا: جب ابو بکر نے زمام امور اپنے ہاتھ میں لی ، تسہیل اور استحکام کے ساتھ اپنی حکومت کا آغاز کیا، لوگوں سے نزدیکی بنائی اور اعتدال سے کام لیا، لہٰذا میں نے بھی از روئے نصیحت وخیر خواہی ان کا ساتھ دیا، جن امور میں خدا کی اطاعت کی میں نے بھی ان امور میں ان کی بات مانی اور کبھی بھی یہ طمع نہیں کی کہ انھیں کوئی حادثہ پیش آجائے اور میں زندہ رہوں اور جس امیر خلافت کو میرا ان سے اختلاف تھا وہ مجھ کو مل جائے۔ [۲]

ابو بکر ، عمر اور عثمان کے ادوار خلافت میں حضرت کی یہی روش رہی اور آپ نے متعدد بار مصالح اسلام و مسلمین کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ابو بکر اور عمر صاحبان کو مدینہ کو چھوڑ کر جنگ میں شرکت نہ کرنے کا مشورہ آپ نے ہی دیا تھا کہ مبادا وہ قتل کردئے جائیں اور اسلام اور مسلمانوں کو ہزیمت کا منھ دیکھنا پڑے۔ دونوں حضرات نے آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے رومیوں اور ایرانیوں سے ہونے والی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ [۳] جب بھی خلیفۂ دوم نے آپ سے کسی بھی امر میں مشورہ کیا،آپ نے مشورہ سے دریغ نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ جب یہ طے پایا کہ حضرت عمر لشکر کے ساتھ کوچ کریں تو علی علیہ السلام کو منصب قضاوت کے علاوہ مدینہ میں اپنا جانشین بھی مقرر فرمایا۔ابن اثیر جزری (م۶۳۰) اس تعلق

۱۔ نہج البلاغہ ،خ۵

۲۔ ثقفی، کوفی، الغارات ،ج۱، ص۳۰۷۔

۳۔ ابن اثیر، البدایہ والنہایہ ،ج۶، ۳۱۵؛ نہج البلاغہ ،خ ۳۴، وخ ۱۴۶۔

سے لکھتے ہیں :"وکان علی القضاء فیما ذکر علی بن ابیطالب،۔۔۔ثم جمع وجوہ اصحاب رسول اللہ وارسل الی علی وکان استخلفہ علی المدینۃ "[1] یہ کوئی اکلوتا واقعہ نہیں ہے بلکہ اصحاب پیغمبر کے ساتھ اہلبیتؑ کے تعاون کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جہاں آپ نے مصالح کی رعایت اور شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے خلیفہ دوّم کی غیبت میں ان کی جگہ خلافت کی ذمّہ داری سنبھالی ہے اور خلیفہ سوّم عثمان بن عفان سے تعاون کیا خلیفۂ سوم کو توحید مصاحف کیا مشورہ آپ نے ہی دیا تھا اور اس کی صحت کی نظارت کا بیڑا بھی اٹھایا تھا۔ جب خلیفہ سوم کا گھر مسلمانوں کے حصار میں تھا اور ان کا کوئی یار و یاور نہیں تھا تو اس وقت تنہا آپ نے ان کی مدد کی تھی اور حسنین کریمین کے ذریعہ ان کے گھر پانی بھیجا تھا۔ ہر چند ان کے گورنروں کی تبعیض، کنبہ پروری اور بیت المال کے بے دریغ استعمال پر حضرت نے تنقید بھی کی ہے۔امام نے خلیفہ سوم کی سفارش پر احتجاج کرنے والے صحابہ سے اس شرط پر بات کرنا قبول کیا تھا کہ جناب عثمان اپنے کئے ہوئے وعدوں پر عمل کریں گے اور ان تمام خامیوں کو دور کریں گے ۔[2] ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو دیکھتے ہوئے (باوجودیکہ خود کو حقدار خلافت سمجھتے تھے) امّت مسلمہ کو انتشار وافتراق سے بچانے اور لوگوں کے درمیان اتحاد واخوت برقرار کرنے کے لئے خلفاء سے ہر ممکن تعاون کیا اور اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

۴۔اسلامی فرقوں کے بانیوں کی تکفیر سے پرہیز

ایک سالم و خوشگوار دینی و ایمانی فضا قائم کرنے اور اختلافات اور نزاعات کو کم کرنے کیلئے ایک وحدت بخش عنصر، تکفیر سے پرہیز کرنا ہے یعنی کوئی کسی دوسرے فرقہ اور مذہب کی تکفیر نہ کرے۔آج اپنے فکری اور عقیدتی مخالفین کی تکفیر ایک فیشن بن گیا ہے۔ ہر کوئی دوسرے مذہب کی تکفیر کو اپنا دینی اور ایمانی حق سمجھتا ہے۔خود کو حق اور دوسرے کو باطل سمجھتا ہے۔حد ہو گئی کہ دوسرے ادیان وملل کے ساتھ تو تعلقات خوشگوار کئے جاتے ہیں لیکن اسلامی مذاہب کے ساتھ کسی بھی قسم کی نرمی اور تعاون کے لئے تیار نہیں ہیں ؛ جبکہ یہاں بے پناہ مشترکات ہیں، سب کا خدا ایک ہے، کتاب ایک ہے، قبلہ ایک ہے اور رسول ایک ہے، اس

۱۔الکامل، ج۲، ۳۰۹، دار الکتب العربی، ط ۲، ۱۳۸۷ھ

۲۔رک، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ۳۷۔

۳ بلاذری، انساب الاشراف، ج۵، ص ۱۱۱۔

کے باوجود ایک دوسرے کی تکفیر کا سلسلہ جاری ہے۔ حکم خداوندی کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہے کیونکہ قرآن کریم شدّت کے ساتھ اظہار اسلام کرنے والے کو کافر کہنے سے روکتا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا" [1] دوسروں کی تکفیر کی مذمت میں امام صادق علیہ سے مروی ایک روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے:"ملعون ملعون من رمی مؤمنا بکفر ومن رمی مؤمنا بکفر فهو کقتله"۔[2] روایات اہلبیت شاہد ہیں کہ جو لوگ خود کو بزعم خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کو گمراہ سمجھتے ہیں، جہنم کا ایندھن ہیں۔[3] از روئے حدیث نبوی بھی مشترکات کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے: "من استقبل قبلتنا وصل صلاتنا و اکل ذبیحتنا فله مالنا وعلیه ما علینا" [4] اگر سارے اسلامی فرقے اسلام اور امت مسلمہ کے مصالح اور اعلاء کلمۂ حق کی خاطر تکفیر پر روک لگادیں تو پھر کوئی بھی معاند اور دشمن اسلام، مذہبی جنگ کے شعلے بھڑکانے کیلئے اس تکفیر سے سوء استفادہ نہیں کرسکے گا۔

۵۔ حقوق اجتماعی کی رعایت

مسلمانوں کے درمیان وحدت کی فضاء قائم کرنے میں ایک اہم اور موثر عنصر، صاحبان مذاہب اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی رعایت کرنا ہے۔ حقوق اجتماعی اور سیاسی سے مراد، اسلامی ممالک میں ہر مذہب کے لوگوں کو ان کے مذہب کی رو سے عبادی اعمال بجالانے کی اجازت دینا ہے۔ بعض مفسرین آیۂ شریفہ "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا" [5] کے ذیل میں کہتے ہیں: یہ جو قرآن نے جہاد اور دفاع کے فریضے کا ذکر صومعہ، کلیسا، اور مساجد کی حفاظت اور انھیں انہدام سے بچانے کیلئے کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دوسرے ادیان ومذاہب کے عبادی اور مذہبی مراکز کی تخریب کے حق میں نہیں ہے، اس صورت میں آیت کا مدلول التزامی، تمام مذاہب کا احترام اور مقام عبودیت میں انسانی آزادی ہے۔

۱۔ نساء، ۹۴

۲۔ عباس قمی، سفینۃ النجاۃ، ج ۲، ۲۳۲، مادّہ کفر۔
۳۔ جعفریات، ۱۹۲؛ صحیح مسلم، ج ۴، : ۱۲۹، ح ۲۰۲۴۔
۴۔ صدوق، خصال، ج ۱، ۱۷۸، ح ۲۳۷۔
۵۔ سورہ حج، ۴۰

۶۔ نکات اخلاقی کی رعایت

اصول اخلاقی کی رعایت کا اگرچہ حقوق سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے باوجود مسلمانوں کے درمیان ایجاد وحدت میں اصول اخلاقی کی رعایت کا بہت نمایاں کردار ہے۔ ان اصول کی رعایت، مکارم اخلاق کی رعایت کے برابر ہے اور اس کا قرآنی تعلیمات میں بہت بلند مقام ہے۔ تمام مخالفین یہاں تک کہ دوسرے ادیان و مذاہب کے بارے میں بھی ارشاد خداوندی ہے: ''لَا يَنْهٰيكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۔اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ(۸) اِنَّمَا يَنْهٰيكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ؛ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' (۹) اللہ تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں وطن سے نہیں نکالا اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمہیں وطن سے باہر نکالا اور تمہارے وطن سے باہر نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے گا وہ یقیناً ظالم ہوگا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ قرآن نہ صرف یہ کہ اعتقادی مخالفین سے جنگ کرنے سے روکتا ہے بلکہ ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کی سفارش بھی کرتا ہے۔ وہ تنہا اس صورت میں جنگ کو جائز سمجھتا ہے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کریں اور انھیں ان کے گھروں سے باہر نکال دیں یا مسلمانوں سے ان کے دین کی وجہ سے جنگ کریں یا انھیں ان کے گھروں سے باہر نکالنے میں ان کے دشمنوں کی پشت پناہی کریں۔ لہٰذا آیت میں اعتقادی اور مذہبی جنگ کی بات نہیں ہو رہی ہے بلکہ دفاعی اور انسانی جنگ کی بات ہو رہی ہے۔ اگر دیگر ادیان ومذاہب کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کا حکم ہے تو یہ بات مسلمانوں کے لئے تو اس سے کہیں زیادہ صادق آتی ہے چاہے ان کا تعلق مسلمانوں کے کسی بھی فرقہ سے ہو۔

اس سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ قرآن اور سنّت نبوی وعلوی میں جو اسباب وعناصر ذکر ہوئے ہیں، ان کے بغیر مسلمانوں کے درمیان وحدت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ عناصر عمل میں

۱۔ ممتحنۃ، ۸۔۹

لائے جائیں۔ پیروان اہلبیت پر فرض ہے کہ کہ وہ ان عناصر کی پیروی کریں کیونکہ اہلبیت علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو ہر اس چیز سے روکا اور منع کیا ہے جو تفرقہ واختلاف اور مذہبی درگیری کا باعث ہو۔